عِلّت اور مَعلُول کا نظام

مؤلف

الحاج قاری محمد ارشاد

تفصیلات طباعت

نام کتاب	عِلّت اور مَعْلُول کا نظام
مؤلف	الحاج قاری محمد ارشاد علی
صفحات	۲۴
اشاعت	جولائی ۲۰۲۱
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

مزید موضوعات

http://archive.org/details/@islahi_tohfa

تنبیہ

ترتیب

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

عِلّت اور مَعْلُول کا نظام

کائنات کے اِس عظیم نظم و ضبط میں عِلّت اور مَعْلُول (سبب اور نتیجہ) کا نظام ہے۔ مثال:۔ کسی چیز کا زمین پر گرنا مَعْلُول (نتیجہ) ہے اور اُس کی عِلّت (سبب) کششِ ثقل (Gravitational force) ہے۔اِسی طرح مُصَوِّر سبب ہے اور تصویر اس کا نتیجہ ہے، نقّاش سبب ہے اور نقش اس کا نتیجہ، مرض سبب ہے اور علامات (symptoms) اُس کا نتیجہ ہے۔ محرِّر سبب ہے اور تحریر اُس کا نتیجہ ہے اسطرح خالق کائنات سبب ہے اور آثار کائنات نتیجہ ہیں۔

حواس خمسہ اور عِلّت اور مَعْلُول طبعی دنیا میں۔

اگر ہم فطرت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو تمام حالات و واقعات و مشاہدات کو عِلّت اور مَعْلُول کی کڑیوں میں ملاتے چلے جاتے ہیں کہ یہ اگر سبب ہے تو وہ اسکا نتیجہ ہے۔ یہ اگر عِلّت ہے تو وہ اُسکا مَعْلُول ہے اور یہ معاملہ حد نظر تک رہا کیونکہ حواس خمسہ کا یہی دائرہ عمل ہے اور جہاں سے ہماری نظر کام کرنا بند کر دی تو ہم یہ سمجھ گئے کہ عِلّت اور مَعْلُول کا سلسلہ بھی ختم ہو گیا۔ یعنی اس کے آگے نہ کوئی عِلّت ہے اور نہ مَعْلُول، نہ سبب ہے اور نہ نتیجہ۔

عقل سلیم اس بات کو نہیں مانتی کہ اِس مقام تک تو عِلّت اور مَعْلُول کو بڑی باریکی کے ساتھ اٹل قوانین کی حیثیت سے بیان کرتے چلے آئے اب اسکے آگے ہمارے لئے ایک نتیجہ ایسا بھی ہے جس کا سبب یا جسکی عِلّت ہم کو نظر نہیں آ رہی ہے۔ کیا

ہماری اب تک کی تحقیق اس بات کو گوارا کر سکتی ہے کہ بغیر سبب کے نتیجہ کا تصوّر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اب اس آخری نتیجہ کے سبب کا انکار صرف اسلئے کیا جا رہا ہے کہ سبب ہماری نظر میں نہیں ہے بلکہ سبب اُو جھل، غائب ہے اور نتیجہ واضح ہے۔

کیا ایک واضح نتیجہ کے، سبب کا انکار صرف اس لئے کر دیا جائے کہ وہ ہماری نظر میں نہیں ہے۔ ہماری نظر سے بہت سی چیزیں او جھل ہیں کیا ہم ان سب کے وجود سے انکار کر سکتے ہیں؟ یہ وہ بنیادی غلطی ہے جسکی وجہ سے بعض لوگ عِلّت اور مَعْلُول کا تعلق صرف طبعی اور مادی دنیا تک محدود سمجھتے ہیں یعنی جہاں تک حواس خمسہ کام کر سکیں اور جہاں انکی آخری حد آ جائے تو عِلّت اور مَعْلُول کی حد بھی ہم مقرر کر دیتے ہیں۔

سرحد ادراک کے اس پار اور اُس پار۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ سرحد ادراک (عقل) کے اس پار تو قوانین فطرت اٹل ہیں اور اُن میں یکسانیت اور عمومیت (عام ہونے کی کیفیت یا حالت) بھی کمال درجہ کی ہے اور یہاں رشتہ عِلّت اور مَعْلُول کے بغیر ایک منٹ کیلیئے بھی گزارا نہیں ہوتا کیونکہ آنکھوں کو جھٹلا یا نہیں جاسکتا اور جوں ہی سرحد ادراک کی دوسری جانب ایک قدم بڑھائے تو نہ قانون فطرت باقی رہا نہ اِسکی یکسانیت اور نہ اِسکی عُمومیت۔

عقل سلیم تو یہی کہے گی کہ اگر سرحد ادراک کے اِس پار طبعی دنیا (Physical world) میں اس کی عِلّت ہے تو اُس پار غیر حسی یا ما بعد الطبعی (metaphysics) یعنی الٰہیات کی دنیا میں بھی عِلّت موجود ہو گی۔

عِلّت اور مَعْلُول کی اتنی طویل زنجیر سے پتہ چلا کہ نہ کوئی مَعْلُول (نتیجہ) از خود اپنی عِلّت (یعنی سبب) نہیں ہو سکتا اور ہر مَعْلُول کے اوپر ایک عِلّت ہے۔ انسان کا یہ حال ہے کہ وہ اس چیز کو آسانی سے جھٹلا دیتا ہے جس چیز کے علم پر وہ قادر نہیں ہوتا۔

﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ﴾ [یونس: ۳۹]

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکے اُسکو نادانی سے جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت اِن پر کھلی ہی نہیں، اس طرح جو لوگ اِن سے پہلے تھے انھوں نے تکذیب کی تھی سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیا انجام ہوا؟۔ (قرآن کو مشرکین مکہ اللہ کا کلام نہیں تسلیم کرتے تھے جہالت سے)

بہر حال نتیجہ خود بخود سبب نہیں ہو سکتا، اس کائنات کا وجود اسکی تخلیق اِس کا انتظام اور اِسکی ارتقائی منازل محض اتفاقات، معادثات (باہم گفتگو یا کلام کرنا) پر مبنی نہیں بلکہ اسکے لئے ایک حکیم، قدیر، خالق کا وجود ایک مُدَبِّر اور ایک منتظم کارفرما ہستی کا وجود مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔

یہ کائنات خدا سے نکلی ہے۔ کائنات خدا تو نہیں ہے لیکن خدا سے جدا بھی نہیں ہے۔ خدا سے نکلی ہے یعنی اُسی کی ذات و صفات کی تجلیات کا عکس ہے۔ مظاہر کائنات، جمال ذات پر شاہد ہیں۔ یہ کائنات، اللہ سے ایسا ہی نکلی ہے جیسے آم کی گٹھلی سے آم کا درخت۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنا جلوہ دکھا رہا ہے اور عالم میں جس قدر تغیرات (تبدیلی) نظر آتے ہیں یہ سب اُسکی مختلف شانیں (حالتیں) ہیں اور اسکی ذات کیلئے مظاہر کا کام

دے رہے ہیں بہر حال اللہ کا وجود حقیقی ہے اور کائنات کا وجود ظِلّی ہے اس طرح ممکنات کا وجود ظِلّی اور عارضی ہے۔

مُشَاہدَات اور مُغیبَات (نظر اور خبر)

نا قابل تبدیل حقائق کو "عقائد" کہا جاتا ہے اور یہ بات انسانی عقل و ادراک سے اونچی ہے۔ انھیں عقائد پر تصدیق اور یقین کی تعمیر ہونے والی مستحکم عمارت کو "ایمان" کہتے ہیں اور اعمال کا مدار ایمان پر ہی ہوتا ہے۔ اعمال کا وجود، ایمان کے بغیر اور ایمان کا وجود عقائد صحیحہ کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

وجود و عدم

وجود اُس کا بخشا ہوا ، حیات و بقاء اُسی کی عطا، صفات فاضلہ اُسی کی رحمت سے حاصل ہیں۔ عقل و فہم، سننے اور دیکھنے اور بولنے کی طاقت ہے تو اُسی کی قدرت ، علم و سمع و بصر کا ایک ادنی عکس ہے۔ بندہ اپنے عدم کا بھی مالک نہیں یعنی موت انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے ۔ وجود کی طرح عدم بھی حق تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے تابع ہے۔

- عقل بمنزلہ بادشاہ ہے اور اعضاء بمنزلہ شُکر
- عقل سے دین و دنیا کے مشکلات حل ہوتی ہیں
- عقل حکم دیتی ہے کہ محسن کا شکر ادا کرو
- عقل بہت کچھ سمجھ سکتی ہے لیکن اپنی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتی
- عقل بے چین ہے کہ کسطرح منعم حقیقی کا شکر ادا کیا جائے

انبیاء علیہم السلام کو شریعت دے کر انسانی عقل کو اعتقاد اور عمل سے آگاہ کیا گیا۔
اللہ نے عقل کو اطاعت شعاری فرمانبرداری کے اصول اور قوانین سے آگاہ کیا تا کہ عقل، قوانین کو رویہ نظر رکھ کر اطاعت کرے اور اِسی میں حاکم کی رضا ہے۔

اپنی عقل سے، قانون سازی کر کے اُن پر عمل پیرا ہونا اور اُسکو حکومت کی اطاعت اور حاکم کی فرمانبرداری کے مترادف سمجھنا نادانی ہے۔
اللہ کی حکومت کے قانون کو شریعت کہتے ہیں۔ شریعت کے دو جز ہیں ایک اعتقادی اور دوسرا عملی - اعتقاد دین کی اصل ہے اور عمل اسکے تحت اور تابع ہے۔ اعتقاد موجود ہو اور عمل مفقود (کھو جانا) ہو تو نجات کی اُمید ہے اور بغیر اعتقاد کے عذاب آخرت سے نجات ممکن نہیں ہے۔

﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ --[آل عمران: ١٩] دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے۔

یہ کائنات جو عجیب و غریب تناسب اور ترتیب پر مشتمل ہے اس کا ہر جز رازوں کا خزانہ ہے۔ ماہرین علم افلاک اور علم طبقات الارض و علم نباتات، اِن کے دقائق اور اسرار (یعنی لطیف اور پوشیدہ بھیدوں) کے ادراک (پہچان) سے عاجز ہیں۔

کائنات کس طرح وجود میں آئی اور اِسکے وجود کا سبب کیا ہے
اگر غور کریں تو پتہ چلے گا کہ کائنات کا یہ نظام خود بول رہا ہے کہ میرا بنانیوالا اور میرا چلانیوالا، علیم ہے، حکیم ہے، قدیر ہے، عزیز ہے اور تمام صفات سے متصف ہے۔

یہ سوال کہ خالق کیسا ہے اور کہاں ہے اور جب تک ہم اسکو دیکھ نہ لیں کیسے مانیں یہ سوال جاھلانہ ہے کیونکہ کسی چیز کو ماننے کیلیئے دیکھنا شرط نہیں ہے جیسے عقل اور روح کے وجود کے ہم قائل ہیں مگر ہم آج تک عقل اور روح کو نہیں دیکھے۔

نہ دیکھنا انکار کیلیئے دلیل نہیں بن سکتا۔

عقل ہمکو کسی چیز کو ماننے کا حکم دیتی ہے اور ہم اسکو مان لیتے ہیں اور کسی کو یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ جب تکہ ہم عقل کو نہ دیکھ لیں اسوقت تک اسکا حکم نہیں مانینگے۔

نظر یعنی محسوسات اور مشاہدات۔ جو لوگ محسوسات میں گرفتار ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز بغیر کسی چیز کے پیدا نہیں ہو سکتی یعنی جس طرح ایک انسان دوسرے انسان سے اور ایک حیوان دوسرے حیوان سے پیدا ہوتا ہے اُسی طرح یہ کائنات بھی مادے سے پیدا ہوئی ہے اور عدم سے وجود میں نہیں آئی یہ خیال غلط ہے اسلیئے کہ لوگوں نے خدا کی قدرت کو بندے کی قدرت پر قیاس کیا کہ جسطرح کمھار (potter) بغیر مٹی کے کوزہ نہیں بنا سکتا اُسی طرح خدا بھی بغیر مادے کے عالم کو پیدا نہیں کر سکتا۔

ابداع - ایجاد - تکوین -

موجود سے وجود کو نکالنا ابداع نہیں کہلاتا۔ بلا کسی چیز کے اور بغیر کسی مادے کے پیدا کرنا ابداع ہے۔ ایجاد کے معنی وجود عطا کرنا ہے اور وجود، معدوم (مٹایا گیا) ہی کو عطا کیا جاتا ہے (اور دو موجود کو ملا کر کوئی چیز بنانا ترکیب کہلاتا ہے)

یہ تمام عالم پہلے عدم میں (Non Existence) تھا۔ محض کُن سے خدا کی قدرت سے ظاہر ہوا۔ گو یا تکوینی عمل سے کائنات ظاہر ہوئی ہے۔

﴿بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾

[البقرة: ١١٧]

وہی آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اسکو ارشاد فرمادیتا ہے کہ ہو جا وہ ہو جاتا ہے۔

Originator of the heavens and the earth. When He decrees a matter, He only says to it, "Be," and it is.

Nature is a fact not an explanation

(فطرت کا قانون، کائنات کا ایک واقعہ ہے وہ کائنات کی توجیھ نہیں ہے)

سائنس کا یہ کہنا کہ اُس نے فطرت کے قوانین دریافت کر لئے اِس حد تک یہ بات صحیح ہے کہ اُس کی یہ دریافت ظاہری ڈھانچہ کی حد تک ہے یا صرف واقعات کی مزید تفصیل ہے نہ کہ اصل واقعہ کی توجیہ۔

اس طرح سائنس کا سارا علم اسبات سے متعلق ہے کہ جو کچھ ہے وہ کیا ہے؟ اور یہ بات سائنس کی قدرت سے باہر ہے کہ جو کچھ ہے وہ کیوں ہے؟ جبکہ توجیھ کا تعلق اِسی دوسرے پہلو سے ہے۔ فطرت، کائنات کی توجیح نہیں کرتی بلکہ وہ خود اپنے لئے ایک توجیھ کی طالِب ہے۔

اللہ کی مصلحت اور نظامِ فطرت

سنت الٰہی کے مطابق نظام فطرت میں اِلتِباس (Vaqueness & Resemblance) کا قانون کام کر رہا ہے۔ یعنی ہر چیز کے ساتھ شبہ کا عنصر (Element of doubt) لگا ہوا ہے۔اس دنیا میں یہی آدمی کا امتحان ہے کہ وہ شبہ کے ایک پردے کو پھاڑے اور حقیقت کا مشاہدہ کرے اِسی امتحان پر آخرت میں کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہے۔

مثلاً موجودہ قرآن اپنی نزولی ترتیب پر نہیں ہے بلکہ توقیفی ترتیب (مِن اللہ مقرر کردہ) پر ہے۔ اب کوئی اِس سند میں الجھ جائے تو اُسکو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوگی۔آدمی حقیقت اور سچائی تک پہنچنے کیلیئے تلاش حق کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ یہاں کی تمام چیزیں کسی نہ کسی اعتبار سے مشتبہ حالت میں ہیں اور یہ اشتباہ کی حالت قیامت تک رہیگی۔آدمی کیلیئے واحد انتخاب یہ ہے کہ وہ عقل سلیم سے کام لیکر شبہ کے باوجود یقین تک پہنچے وہ اجمال میں صراحت اور تفصیل کو پالے، اسکے لئے قرآن اور حدیث میں چند اصول بتلائے گئے ہیں۔

(۱) آدمی اس حقیقت کا اعتراف کرلے کہ اسکو علم قلیل دیا گیا ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کچھ چیزوں کے بارے میں سکوت اختیار کیا ہے پس تم ان چیزوں کے بارے میں بحث مت کرو یعنی اسکو مبھم رکھوں جسکو اللہ مبھم رکھ دیا ہے۔ یہ موجودہ دنیا میں گویا مطالعہ کی کلید (کنجی) ہے خواہ علم دین کا معاملہ ہو یا سیکولر علوم (یعنی دنیوی علوم)۔ مثلاً فلسفہ پچھلے ۵ ہزار سال سے حقیقت کائنات (what is universe) کا مطالعہ کرتا رہا مگر اسکو ناکامی ہوئی اسکے بر عکس سائنس ۳۰۰ سال میں ہزاروں کامیابیاں حاصل کرلی اس فرق کا سبب کیا ہے؟ فلسفہ کیسے (How)

اور کیوں (Why) میں فرق نہ کر سکا۔ اس نے دونوں کو یکساں طور پر جاننا چاہا اور یہ بات انسان کیلئے ممکن نہیں ہے۔ ان میں سے ایک کو جاننا ممکن ہے اور وہ ہے "کیسا" ہے ؟ چنانچہ سائنس نے کہا کہ "کیوں ہے"۔ پر زیادہ توجہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ کیسا ہے پر توجہ دیں۔ چنانچہ اسکے نتیجے میں شاندار کامیابی حاصل ہوئی۔ دین کے مطالعہ میں بھی وہی طریقہ پر ہمکو عمل کرنا ضروری ہے۔

قرآن - حدیث - سیرت

قرآن کے الفاظ میں قرآن کے محکم آیات کو تو ہمیں تفصیل کے ساتھ جاننے کی کوشش کرنا ہے اور جو باتیں متشابہات سے تعلق رکھتی ہیں ان میں مختصر اور مبہم علم پر قناعت کرنا ہے۔

نفسیاتی اعتبار سے کسی آدمی کی سب سے زیادہ اہم صفت یہی سمجھی جاتی ہے کہ اُسکے اندر صحت فکر (Sound Thinking) پائی جائے۔ عبادت کو سمجھنے کا معاملہ ہو یا سیاست کو سمجھنے کا، صحیح طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن کا مطالعہ کیا جائے اسکے اصولی احکام کو مُتَعَیَّن (یقینی) کیا جائے، اِسکے بعد حدیث کا مطالعہ کر کے ان اصولوں کی مزید مستند تفصیل مُتَعَیَّن کی جائے، اِسکے بعد سیرت کا مطالعہ کر کے۔ ان تینوں قسم کے مطالعے کے ذریعے اسلام کا بنیادی معیار مقرر کیا جائے پھر اس معیار کی روشنی میں بعد کی اسلامی تاریخ کو سمجھا جائے۔

مقتضیات عظمت الٰہی، کائنات میں موجود ہیں

﴿مَّا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا﴾ [سورة نوح: ١٣] تم کو کیا ہوا ہے کہ تم خدا کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔

What is [the matter] with you that you do not attribute to Allah [due] grandeur

حضرت آدم کی اُمّت میں بگاڑ آیا تو دوبارہ خالص توحید کا پیغام دینے کیلئے نوح بھیجے گئے۔ انھوں نے قوم کی گمراہی کی نشاندہی کرتے ہوئے جو کچھ کہا اس میں ایک بات یہ تھی کہ قوم، اللہ کی عظمت کی معتقد نہیں تھی یعنی اللہ کی بڑائی، شان و شوکت کا اعتقاد نہیں رکھتے تھے، اللہ کی عظمت وجلال سے ڈرتے نہیں تھے۔

اللہ کو، قوم نوح مانتی تھی لیکن تعظیم و توقیر جس درجے میں کرنا چاہیے تھا نہیں کرتے تھے۔ اور یہ اونچا درجہ انھوں نے اپنے اکابرین کو دیدیا تھا۔ جن کا نام قرآن میں وُد۔ سُواع۔ یَغُوق۔ نَسَر بتایا گیا ہے یہ لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی ابتدای نسل سے تھے۔ لوگ اللہ تعالیٰ کا اقرار اور اکابر پرستی کی بیماری میں مبتلا تھے۔ وہ لوگ وجود الٰہی کے منکر نہیں تھے لیکن دل و دماغ پر کسی اور کی عظمت چھائی ہوئی تھی۔ مشرک انسان منکر خدا تو نہیں ہوتا البتہ خدا کے بارے میں اُسکے پاس اُسکی عظمت کے اعتبار سے صرف لفظی اظہار رہتا ہے اور اپنے قلب کی گہرائیوں میں دوسری ہستیاں رہتی ہیں۔ حالانکہ وہ سارے تقاضے عظمت الٰہی کے کائنات میں موجود ہیں۔ زمین میں آسمان میں خود انسان میں وغیرہ وغیرہ۔

مذہبی حقائق جو انسانی نظروں سے پوشیدہ ہیں

دنیا میں ہدایت کا نظام یُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ کے اصول پر قائم ہے۔ چنانچہ اس نظام کے ذریعے تمام حقائق کو پوشیدہ حالت میں رکھ دیا گیا ہے۔

حقائق کی کئی قسمیں ہیں

ان حقائق کو دریافت کرنا انسان کا کام ہے۔ انسان اپنی فکری قوتوں کو عمل میں لاکر ان پوشیدہ حقائق کو دریافت کرے پھر ان کی کامل مطابقت میں اپنی زندگی گزارے۔

(۱) انسان سے مطلوب ہے کہ وہ خدا کو اپنا بڑا بنائے حالانکہ خدا کی بڑائی اِسکی آنکھوں کے سامنے موجود نہیں ہے۔

(۲) انسان سے مطلوب ہے کہ وہ خدا کی پکڑ سے ڈرے حالانکہ خدا کی تعزیبی طاقت دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

(۳) انسان سے یہ مطلوب ہے کہ وہ درمیان حق کا ساتھ دے مگر درمیان حق ہمیشہ عام انسانوں کے روپ میں سامنے آتے ہیں اور انکو اُسی وقت پہچانا جا سکتا ہے جبکہ ظاہر سے گزر کر باطن کی سطح پر دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

عام دنیوی حقائق جو پوشیدہ ہیں

دنیا میں بے شمار مادی اشیاء زمین کے اندر پوشیدہ ہیں۔ ان مادی امکانات کو دریافت کر کے انھیں ایک ترقی یافتہ تمدن کی صورت دینا یہ بھی انسان ہی کا کام ہے اس سے پتہ چلا کہ قدرت یہ چاہتی ہے کہ آدمی دریافت کرے، جستجو کرے جسکو اکتشافی طریقہ (Method of discovery) کہا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اُسی وقت قابل عمل ہے جبکہ انسان کو ایک اعلیٰ درجہ کا ذہن دیا گیا ہو جو ہر قسم کی صلاحیتوں سے بھرا ہوا ہو۔ پھر ان صلاحیتوں سے غور و فکر کر کے اشیاء کی حقیقت کو جانے۔ ایک طرف خالق کو پہچانے تو دوسری طرف خالق کی مادی نعمتوں کو دریافت کر کے انکو تعمیر نو میں استعمال کرے۔

دنیا کا جبری نظام حکومت

(بادشاہت) مادی دریافت کو روک رکّھا تھا۔ پیغمبر جس بات کو لاتا ہے وہ حق ہوتی ہے لیکن حق عام نہیں ہو سکتا۔ حق عام اُسی وقت ہوتا ہے جبکہ انسان کو اظہار خیال کی آزادی حاصل ہو۔ اگر اظہار خیال کی آزادی کو جبری حکومت کے ذریعے کچل دیا جاتا ہے تو یہ پیغمبروں کی بات چل نہیں سکتی۔

تاریخ گواہ ہے کہ زمین پر انسان کے آغاز کے جلد ہی بعد بادشاہت کی صورت میں جبری نظام حکومت قائم ہو گیا پھر اس نظام کو مستحکم کرنیکے لئے آزادانہ فکر اور آزادانہ اظہار خیال کو ختم کر دیا گیا چنانچہ پیغمبروں کی بات کو شکست ہوتی رہی۔ اس جبری نظام حکومت کا دوسرا زبردست نقصان یہ ہوا کہ مادی چیزوں کی دریافت کو یہ نظام روک دیا جسکی وجہ سے سائنسی دریافت اور اسکے نتیجے میں ہونے والی ترقی بڑی مدّت تک رک گئی۔

اسلام دنیا میں قائم شدہ جبری نظام کو توڑ دیا

چنانچہ حضور ﷺ نے دنیا میں قائم شدہ جبر کے نظام کو توڑا اور ۱۰۰ سال کی محنت کے بعد انسان نے آزادی فکر کا فطری نظام قائم کیا۔ (۶۱۰ - ۷۱۰) پھر نتیجتاً ہر قسم کی دینی اور دنیوی حقائق کو جاننے کا دروازہ کھلا۔ اور دونوں میدانوں میں ترقی ہوئی۔ ایسے نظام جبر کو قرآن میں فتنہ کہا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اس نظام کے حاملین سے جنگ کرو یہاں تک کہ وہ فتنہ ختم ہو جائے۔

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ﴾ [الأنفال: ٣٩]

اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ یعنی کفر کا فساد باقی نہ رہے اور دین سب خدا ہی کا ہو جائے۔

﴿--وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ﴾.. البقره (۱۹۱) فساد قتل سے کہیں بڑھ کر ہے
﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ۖ ﴾ [البقرة: ۱۹۳]
اور ان سے اس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد نابود ہو جائے اور (ملک میں) خدا ہی کا دین ہو جائے۔

لفظ فتنہ کی تشریح:- یہاں فتنہ کا لفظ (آیت نمبر ۲) اس معنی میں استعمال ہوا ہے کہ انگریزی میں جسکو persecution کہتے ہیں یعنی ایزائیں دینا، پریشان کرتے رہنا۔ یعنی کسی گروہ یا شخص کو محض اس بناء پر ظلم و ستم کا نشانہ بنانا کہ اس نے رائج الوقت خیالات و نظریات کی جگہ کچھ دوسرے خیالات و نظریات کو حق جان کر قبول کر لیا ہے اور وہ تنقید اور تبلیغ (Criticism & propagation of faith) کے ذریعہ سے سوسائٹی society کے موجود الوقت نظام میں اصلاح کی کوشش کرتا ہے۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ بلا شبہ انسانی خون بہانا بہت بُرا فعل ہے لیکن جب کوئی انسانی جماعت زبردستی اپنا فکری استبداد دوسروں پر مسلط کرے اور اپنے نظریات پر چلنے پر مجبور کرے اور لوگوں کو قبول حق سے روکے اور اصلاح اور تبدیلی کی جائز و معقول کوششوں کا مقابلہ دلیلوں سے کرنے کے بجائے حیوانی طاقت سے کرنے لگے وہ قتل کی بہ نسبت زیادہ سخت برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ ایسے گروہ کو بزور شمشیر مٹا دینا بالکل جائز ہے۔

آیت نمبر ۱ اور ۳ میں فتنہ سے مراد وہ حالت ہے جس میں دین، اللہ کے بجائے کسی اور کیلئے ہو اور لڑائی کا مقصد یہ ہے کہ یہ فتنہ ختم ہو جائے یعنی دین صرف اللہ کیلئے ہو جائے۔

لفظ دین کے معنی اطاعت کے ہیں اور اصطلاحاً اِس لفظ سے مراد وہ نظام زندگی ہے جو کسی کو بالاتر مان کر اسکے احکام اور قوانین کی پیروی میں اختیار کیا جائے۔ پس اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سوسائٹی یا معاشرہ کی وہ حالت جس میں بندوں پر بندوں کی خدائی و فرماں روائی قائم ہو اور جس میں اللہ کے قانون کے مطابق زندگی بسر کرنا ممکن نہ رہے فتنے کی حالت ہے اور اسلامی جنگ کا مطمع نظر یہ (مرکز نگاہ) ہے کہ اس فتنے کی جگہ ایسی حالت قائم ہو جس میں بندے صرف قانون الہٰی کے مطیع بن کر رہیں۔

(یعنی تمہاری جنگ نہ تو مادی اغراض کیلئے ہو نہ ان پر ہاتھ اٹھاو جو دین حق کی راہ میں مزاحمت نہیں کرتے اور نہ لڑائی میں جاہلیت کے طریقے استعمال کرو عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں پر اور زخمیوں پر دست درازی کرنا، نہ کھیت اُجاڑنا، نہ مویشیوں کو نقصان پہنچانا، نہ وحشیانہ اور ظالمانہ افعال کرنا یہ سب وحشیانہ اور ظالمانہ افعال ہیں۔ان سے گریز کریں)

فکری آزادی فطرت کے نظام میں داخل ہے

تنقید اور ذہنی ارتقاء :- اسلام سے قبل تقریبا ۲۵ ہزار سال تک انسانی تاریخ کے آثار ملتے ہیں۔ مگر اس طویل مدت میں انسان کوئی علمی ترقی نہ کر سکا۔ تمام علمی اور سائنسی ترقیاں بعد کو ہوئیں جبکہ اسلام نے جبری نظام کو توڑ کر فکری آزادی کے دور کا آغاز کیا۔

اسکا راز یہ ہے کہ ذہنی ترقی ہمیشہ تبادل افکار کے ذریعے ہوتی ہے اسکے برخلاف جبری اور تقلیدی نظام میں افکار کے تبادلے کا عمل رُک جاتا ہے۔ اصل

یہ ہے کہ حقائق کی دنیا ایک لامحدود دنیا ہے مگر ایک شخص کا تنہا ذہن صرف محدود طور پر سوچ پاتا ہے اسلئے اگر جبر اور تقلید کا ماحول ہو تو ہر آدمی صرف محدود واقفیت کا حامل ہوگا۔ اسلئے تنقید سے ذہنی ارتقاء ہے اور تنقید کا خاتمہ، ذہنی ارتقاء کا خاتمہ ہے اور فکری پابندی فطرت کے نظام میں رکاوٹ ہے اور فکری آزادی اور تنقید اور تبصرہ، فطرت کے نظام میں مددگار ہیں۔

کائنات کے مُشاہداتی اور استنباطی حقائق

مشاہدہ اور تجربہ بذات خود علم کے قطعی ذرائع نہیں ہیں اور علیم صرف ان چیزوں کا ہی نام نہیں ہے جو براہ راست ہمارے مشاہدے اور تجربے میں آتی ہیں

سائنس یہ دعویٰ ہرگز نہیں کر سکتی کہ حقیقت صرف اسقدر ہے جو جو اس کے ذریعے ہمارے تجربے میں آئی ہو۔ جیسے پانی جسکو ہم آنکھ سے دیکھتے ہیں یہ ایک واقعہ ہے۔ مگر یہ واقعہ کہ پانی کا ہر مالیکول، ہائیڈرجن کے دو ایٹم اور آکسیجن اور کے ایک ایٹم پر مشتمل ہے اسکو ہم آنکھ سے یا خوردبین سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ صرف اپنے علم کا ذریعہ استنباط ہے۔ اور سائنس ان دونوں واقعات کی موجودگی کو یکساں تسلیم کرتی ہے۔ اسکے نزدیک مشاہداتی پانی اور تجزیاتی پانی دونوں بھی ایک حقیقت ہے حالانکہ دوسرا پانی نا قابل مشاہدہ ہے اور صرف قیاس کے ذریعے معلوم کیا گیا ہے۔

اسی طرح جو حقائق ہمکو جو اس کے ذریعے معلوم ہوں وہ محسوس حقائق (Perceived fact) ہیں ان کے علاوہ بہت سی حقیقتیں ہیں جن کا علم اگرچہ براہ راست ہم حاصل نہیں کر سکتے پھر بھی ہم ان کے بارے میں جان سکتے ہیں اس علم

کا ذریعہ استنباط ہے یعنی مشاہدوں پر مشاہداتی حقائق پر غور و فکر کر کے ایک نتیجہ اخذ کرنا جسکو (Inferred fact) کہتے ہیں بہر حال دونوں طریقوں سے حاصل ہونیوالی چیز، حقیقت ہی ہے۔ خواہ مشاہدہ سے حاصل ہو یا استنباط سے ہو۔
کائنات میں جو حقیقتیں ہیں اُن میں سے تھوڑی تعداد کو ہی حواس کے ذریعے جان سکتے ہیں بقیہ حقائق کو استنتاج (Inference) کے ذریعے یعنی تَعقُل Reasoning ہی کے ذریعے سے معلوم کرتے ہیں۔
یہ ایک طریقہ فکر ہے جسکے ذریعے کچھ معلوم حقائق یا معلوم واقعات سے ابتداء کر کے بالاخر یہ نتیجہ یا یہ عقیدہ بنایا جاتا ہے کہ فلاں حقیقت یہاں موجود ہے اگرچہ وہ کبھی دیکھی نہ گئی ہو۔

The reasoning process is valid because the universe of fact is rational.

یعنی منطقی استخراج کے ذریعے، حقیقت کو معلوم کرنے کا طریقہ صحیح ہے کیونکہ کائنات میں خود منطقیت(Based on reason) ہے۔ عالم واقعات ایک ہم آہنگ کُل ہے۔ کائنات کے تمام حقائق ایک دوسرے سے مطابقت رکھتے ہیں اور ان کے درمیان زبردست نظم اور باقاعدگی ہے۔
مشاہداتی واقعات محض عالم حقیقت کے کچھ اجزاء ہیں اور جو کچھ ہم مشاہدہ کرتے ہیں حواس کے ذریعے وہ محض جزوی اور غیر مربوط واقعات ہوتے ہے اگر ان کو الگ کر کے دیکھیں تو بے معنی معلوم ہونگے اور اگر ان کو براہ راست نہ محسوس ہونے والے واقعات کیساتھ مربوط کر کے دیکھتے ہیں تو اسوقت ہم ان کی معنویت کو سمجھ سکتے ہیں۔ مثال پرندہ مرنے کے بعد زمین پر گرتا ہے، پتھر کو زمین سے

اٹھانیکے لئے طاقت کی ضرورت ہوتی پہاڑ سے اُترنا آسان اور پہاڑ پر چڑھنا مشکل ہے اِسی طرح کے کئی مشاہدات ہیں جس سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ زمین میں قوت تجاذب ہے جسکو gravitational force کہتے ہیں۔ یہ ایک نتیجہ اخذ کی بات ہے یعنی ایک اشتنباطی حقیقت ہے کیونکہ زمین کی قوت تجاذب ، نا قابل مشاہدہ ہے جسکو پہلی بار نیوٹن نے دریافت کیا مگر خالص تجرباتی حیثیت سے اسکی کیا حقیقت ہے وہ نیوٹن سے سنیے

"یہ بات نا قابل فہم ہے کہ بے جان اور بے حس مادہ، کسی درمیانی واسطے کے بغیر دوسرے مادے پر اثر ڈالتا ہے حالانکہ دونوں کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک نا قابل مشاہدہ اور نا قابل فہم چیز کو آج بلا اختلاف سائنسی حقیقت سمجھا جاتا ہے یہ صرف اسلئے کہ اگر ہم اسکو مان لیتے ہیں تو ہمارے کچھ مشاہدات کی وضاحت اور توجیہ اس سے ہو جاتی ہے۔"

گویا کسی چیز کے حقیقی ہونیکے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ براہ راست ہمارے تجربے اور شاہدے میں آ رہی ہو بلکہ وہ غیر مرئی عقیدہ (Invisible belief) بھی اسی درجہ کی ایک حقیقت ہے جس سے ہم مختلف مشاہدات کو اپنے ذہن میں مربوط کر سکتے ہیں جو معلوم واقعات کی معنویت (پوشیدگی) ہم پر واضح کرے۔ حقیقت کو معلوم کر لینا گویا کسی چیز کی معنویت کو معلوم کر لینا ہے۔ اس طرح سائنس نام ہے معلوم حقائق سے نامعلوم حقائق دریافت کرنے کا۔

مشاہداتی حقائق پر پر نظریات قائم ہوتے ہیں

جب سائنس داں کے پاس مشاہداتی حقائق کی کچھ تعداد فراہم ہو جاتی ہے تو وہ یہ محسوس کرتا ہے۔ کہ اب اسے ایک مفروضہ یا نظریہ یا زیادہ صحیح الفاظ میں ایک وجدانی یا اعتقادی تصوّر میں پرو دے۔ اسطرح نظریات گویا ذہنی نقشے ہیں جو مشاہداتی حقائق یا معلوم قوانین کی توجیہ کرتے ہیں گویا سائنس داں ایک غائب اور پوشیدہ چیز کی موجودگی پر اسکے نتائج اور اثرات کی وجہ سے یقین کر لیتا ہے۔ اور ہر وہ حقیقت جس پر ہم یقین کر لیتے ہیں شروع میں ایک مفروضہ ہوتی ہے پھر جیسے جیسے حقائق منکشف ہو کر اس مفروضے کی تائید کرتے ہیں۔ اس مفروضے کی صداقت نمایاں ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس پر یقین، حق الیقین کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے جیسے جو ہر (ATOM) یہ ایک ایمان بالغیب کی مثال ہے ایٹم جسکو سائنس داں نے آج تک نہیں دیکھا مگر اسکے باوجود یہ ایک تسلیم شدہ (Accepted fact) حقیقتاً ہے۔اس لحاظ سے سائنسی نظریات کی تعریف حسب ذیل ہوتی ہے۔

Theories are mental pictures that explain known laws

یعنی نظریات دراصل ذہنی نقشے میں جو معلوم قوانین کی توجیہ کرتے ہیں۔

سائنس کے میدان میں جنکو مشاہداتی حقائق (observed facts) کہا جاتا ہے وہ دراصل کچھ مشاہدات کی تعبیریں ہیں اور چونکہ انسانی مشاہدے کو کامل نہیں کیا جا سکتا اسلیئے یہ تعبیریں بھی تمام کی تمام اضافی ہیں اور وہ نظریہ جو ان مشاہداتی حقائق کی تشریح کرتا ہے اسی کا نام ایمان بالغیب ہے۔

ایمان بالغیب، مشہود حقائق کی صحیح ترین توجیہ ہے۔ ہم بھی مشاہداتی حقائق کے مطالعہ ہی سے اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ مذہب کی تشریحات حق ہیں کہ ہزاروں برس گزر جانے کے بعد ان کی صداقت میں کوئی فرق نہیں آیا بلکہ اسکے برخلاف ہر نئی تحقیق سے اسکی صداقت اور نکھرتی چلی جارہی ہے۔ فطرت کے قوانین، کائنات کا ایک واقعہ ہے وہ خود کائنات کی توجیہ نہیں ہیں۔ فطرت کے قانون کا وسیع تر مشاہدہ الگ بات ہے اور فطرت کے قانون کا سبب جاننا الگ بات ہے۔ ایک مثال مرغی کا بچہ انڈے کے اندر ۲۱ روز کی مدت پوری ہونے پر اسکی چونچ ایک نوک رار ظاہر ہوتی ہے اسکی مدد سے وہ باہر آتا ہے۔ یہ جدید خوردبینی مشاہدہ جو کچھ بتلایا ہے وہ صرف واقعہ کی چند مزید کڑیاں ہیں لیکن خود واقعہ کی توجیہ نہیں۔ توجیہ اسوقت ہونگی جب ہم یہ جان لینگے کہ بچہ کی چونچ کیسے ظاہر ہوی پہلے پینہ حل طلب تھا کہ انڈے کا خول ٹوٹنا کیسا ہے اب یہ حل طلب ہے کہ چونچ پر سینگ (horn) کیسے بنتی ہے۔ بہر حال سوال قائم ہے۔ پہلے سوال کے حل ہو جانے کو حقیقت کا وسیع تر مشاہدہ یا فطرت کے قانون کا وسیع تر مشاہدہ کر سکتے ہیں لیکن حقیقت کی توجیہ یا حقیقت کے سبب کا نام نہیں دیا جا سکتا۔ غذا کا ہضم ہونا کیمیائی رد عمل کا نتیجہ ہے مگر اس دریافت سے خدا کی نفی نہیں ہو سکتی کیونکہ اب سوال باقی ہے کہ کیمیائی اجزاء کی پیدائش اور رد عمل کس کی طرف سے ہے۔ اس طرح سائنس کی ساری دریافتیں درمیانی کڑیاں ہیں درمیانی تشریحات ہیں۔ لیکن بے خدائی کائنات ثابت کرنیکے لئے آخری اور کلّی تشریح دریافت کر لینا ضروری ہے۔ کسی مشین کی کارکردگی کی کڑیاں جان لینا الگ بات ہے اس سے مشین کے خالق کو جان لینا سمجھنا غلط ہے۔

فطرت کے قوانین میں یکسانیت اور عمومیت عالمگیر ہے

(Uniformity & Commonness) فطرت کے قوانین میں زماں (وقت) اور مکان (جگہ) کی تبدیلی سے تغیر واقع نہیں ہوتا۔ زمین کی کشش یہاں پر بھی ہے اور ۱۰ ان ہزار میل دور پر بھی ہے۔ قانون جو کل تھا آج بھی وہی ہے۔

چنانچہ محققین حضرات ماضی تجربات کی روشنی میں، دریافت شدہ طبعی قوانین کو اٹل اور معیار مانتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اور پیشن گوئیاں دراصل گذشتہ علم کی بنیاد پر ہوا کرتی ہیں۔

سائیس کی بنیاد اور انسان کا مشاہداتی علم اس پر مبنی ہے۔ یہ یکسانیت اور عمومیت کیا ہے؟ یہ نظم وضبط کی معراج ہے اور اسقدر بایک نظم وضبط و ربط ہے کہ کہیں بھی ایک سیکنڈ کے وقت کی کمی بیشی نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ سائنس داں اِس قانون فطرت کی صحت کامل سے فائدہ اٹھا کر اطمینان سے چاند پر پہنچ گیا۔

انسان مشین بناتا ہے جیسے برقی روشنی پیدا کرنیکی مشین (TURBINES) وغیرہ ان مشینوں کی گڑگڑاھٹ سے زمین میں رعشہ اور اطراف کی بستی کا سکون ختم ہو جاتا ہے۔ ادھر قدرت کے کارخانے میں ہزاروں مشین چل رہی ہیں مگر آواز کہیں بھی نہیں۔ آم کا درخت ایک مکمل فیکٹری ہے، پھلوں میں رس بھرا جارہا ہے۔ خوشبو، لذّت اور اُوپری سطح پر رنگ بھرا جارہاہے، ادھر سورج سے روشنی ساری دنیا کو پہنچ رہی ہے مگر آواز نہیں ہے۔ اگر قدرت کی ان ہزاروں مشینوں میں آواز ہوتی تو شور نمونما مچ جاتا اور آدمی کی زندگی کا سکون ختم ہو جاتا۔ یہ اللہ کی صنعت کا کمال ہے کہ سارے مشینیں خاموش ہیں۔ اللہ حکیم ہے اور رحیم ہے یہ اُسکی حکمت

کی دلیل ہے۔انسان اگر کوئی مشین تیار کرتا ہے تو اسکو چلانا پڑتا ہے وقفہ وقفہ سے مرمّت کرنا پڑتا ہے لیکن قدرت کی مشین نہ مرمّت کی ضرورت نہ چالو کرنے کی تکلیف ہے۔

یہ ایک منطقی دلیل ہے یعنی Logical argument ہے کہ دنیا میں نظم ہے تو اُس کا ایک ناظم ہے۔ اتفاقی باتوں میں تناسب، توازن، ترتیب اور نظم وضبط نہیں ہوتا۔ کائنات کی تخلیق ایک منصوبہ کے تحت ہے۔

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف وجملہ معاونین و اہل وعیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کا یقین، عقل سلیم اور فکر مستقیم عطا فرمائے۔

مؤلف

قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔کام (عثمانیہ)

ڈی۔یف۔ی۔ ناگپور کالج

مؤلف کتاب "اصلاحی تحفہ" خادم تدریس القرآن

باہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی